شاہ ولی اللہ کے تجدیدی کارنامے

مولانا محمد اسلم استاذ اسلامیات غزالی کالج ربیع آباد

حضرت شاہ ولی اللہ کی قدر و منزلت ایک دنیا پر آشکارا ہے یہ شاہ صاحب ہی کا فیضان ہے جو ہمیں تحریک آزادی ہند، تحریک شہید، تحریک خلافت اور تحریک اقامت دین اور تحریک پاکستان کی شکل میں مسلسل جاری و ساری نظر آتا ہے۔ اسلامی نظام حیات اور خلافت علی منہاج النبوۃ کی وہ دل آویز تصویر جو اس دہلوی شیخ نے کھینچ دی۔ مسلمانان ہند و پاک کے دل و دماغ میں پوری طرح رچ بس چکی ہے۔ اور آج تک اسی آواز کی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ تحریک پاکستان میں جان اسی تصور نے ڈالی اور اسلامی نظام حیات کے قیام کی یہی آرزو تھی جس کے باعث ایک زمانے کی سوئی ہوئی قوم ایک آواز پر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور آج سرزمین پاک کی شکل میں آرزوں بھرا خطۂ ارض نظر افروز ہے۔ یہ وہی آرزو تھی جس کی بازگشت ہم پھر جہاد ستمبر میں داد سرفروشی کی شکل میں دیکھتے ہیں۔ پھر وہی کلمہ دل نواز تھا۔ وہی سرفروشی تھی اور نتیجہ سامنے ہے۔

ایسا زبردست مفکر اس قدر اعلیٰ درجہ کا قائد و محسن جسکی آواز پوری قوم کو ایسا انمٹ درس حیات دی گئی ہے۔ اسے اپنے محسن کا بہرحال شکر گزار ہونا چاہیئے تھا

بلکہ جگہ اکیڈمیاں قائم ہوتیں۔ تعلیم کو عام کرنے کا بندوبست کیا جاتا۔ جامعہ ولی اللہی کا قیام عمل میں آتا۔ لیکن افسوس ایسا نہ ہو سکا۔ مقام شکر ہے کہ اب چند ادارے اس عظیم کام کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے وجود میں آ چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان اداروں کو توفیق بخشے کہ وہ شاہ صاحب کے پیش کردہ افکار و خیالات کو جدید اسلوب بیان اور زبان میں پیش کر سکیں۔ اس لئے کہ یہ کام فی الوقت نہایت ضروری ہے۔ نئی نسل جس زبان و بیان سے مانوس ہے وہ گذشتہ زمانے سے بڑی حد تک مختلف ہے

شاہ صاحب کے کارنامے

شاہ صاحب کے کارناموں کی فہرست طویل ہے۔ میں چند کو نمبر وار درج کر رہا ہوں۔

۱۔ یہ ہے کہ شاہ صاحب نے بڑی ژرف نگاہی کے ساتھ اجتہاد و تفقہ کے کام میں غلط اجتہاد کے دروازے کو بند کیا۔ اور اس مسئلہ کو زیادہ واضح اور صاف شکل میں پیش فرمایا۔

۲۔ کار تجدید کی وضاحت کی اور اس طرح تجدد کی کامیابی اور مسلمانوں میں در آنے کا راستہ بند کیا۔

۳۔ علوم حدیث کی تجدید و ترویج کا کام کیا۔

۴۔ قرآن مجید کے ترجمے کو جاری کیا۔

۵۔ اسلامی نظام سیاست کی تصویر کشی کی۔

۶۔ تصوف کی حتی المقدور اصلاح کی۔

۷۔ اسلامی نظام حیات کی تدوین کا انجام دیا۔

اب میں ان میں سے ایک ایک پر اپنے مطالعہ کے نتائج کو پیش کرنے کی سعی کروں گا۔

اجتہاد

اس فہرست میں سب سے مقدم یہ ہے کہ شاہ صاحب نے اجتہاد و تفقہ کے کام میں غلط اجتہاد کے دروازے کو بند کرنے کی سعی کی۔ آپ نے مجتہد کے دائرۂ کار کو متعین طور پر واضح کیا۔ اجتہاد کی شرائط بیان کیں اور مجتہدین کے درمیان فرق مراتب قائم کئے پھر یہ بھی واضح کیا کہ کون سا دروازہ کھلا ہوا ہے اور کون سا بند ہے۔ اجتہاد کی پوری تاریخ اور اس کے اختلافات کو بیان کیا اور یہ بھی بتادیا کہ مسلک اعتدال کیا ہے۔ یہ پوری بحث چونکہ نہایت اہم مباحث پر مشتمل ہے اس لئے میں اسکو قدرے تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اس تفصیلی تذکرہ کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تقریباً یہی شرائط تجدید کے کام کی بھی ہیں اس طرح اجتہاد و تجدید کے پورے کام کی مکمل تصویر سامنے آجائے گی۔ اس پوری بحث کو سمجھنے کے لئے سب سے پہلے ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اجتہاد کیا ہے۔

اجتہاد کیا ہے

اس کو سمجھنے کے لئے دو بنیادی امور کو وضاحت کے ساتھ سامنے رہنا چاہیئے۔

پہلی بات۔ حاکمیت الٰہی کا تصور ہے اس لئے کہ اسلامی اجتہاد و تفقہ کے فہم میں اس کی حیثیت سررشتہ کی ہے اسلام میں حاکمیت مطلقہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے تسلیم کی گئی ہے۔ وہ صرف عام مذہبی معنوں میں معبود نہیں ہے بلکہ خالص قانونی معنوں میں حاکم مطاع، قانون بنانے والا اور دینے والا اور امر و نہی کا اصل سرچشمہ بھی ہے۔ وہ صرف قانون فطرت کا خدا نہیں ہے بلکہ وہ ہمیں صفائی سے بتاتا ہے کہ الٰہی قانون میں شریعت بھی شامل ہے۔ اور اس شرعی قانون کو ماننے اور اس کے مقابلے میں اپنے اختیارات سے دست بردار ہو جانے کا نام اسلام ہے وہ ہمیں وضاحت سے بتاتا ہے کہ جن معاملات میں اللہ اور رسول نے جب کوئی فیصلہ کردیا ہو تو اس میں کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اپنی رائے اور مصلحت کے پیش نظر کوئی فیصلہ کرے ارشاد ہوتا ہے

وما کان لمومن ولا مومنۃٍ اذا قضی اللہ ورسولہٗ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہٗ فقد ضل ضلالا مبینا۔ (الاحزاب ۳۶)

اور کسی مومن اور مومنہ کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ ان معاملات میں اللہ اور اس کا رسول کوئی فیصلہ کر دیں۔ تو اس میں انہیں اختیار ہو اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا تو وہ کھلی گمراہی میں جا پڑے گا۔

دوسری بات جو پہلی بات کی طرح قطعی بنیادی اہمیت کی حامل ہے یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی ہیں۔ یہی عقیدہ ہے جس کی بنیاد پر مجرد روح اسلام مادی جامہ اختیار کرتی ہے۔ اس بنیاد پر اسلامی تخیل پر محسوس مادی عمارت تعمیر ہوتی ہے اسلامی نظام میں محمدی تعلیم بالاتر قانون (Supreme Law) کی حیثیت رکھتی ہے اور یہی تعلیم حاکم اعلیٰ کی مرضی کی نمائندگی کرتی ہے۔

تعلیم کی دو شکلیں

ہمیں یہ تعلیم دو شکلوں میں ملی ہے۔ ایک قرآن دوسرے آپ کا عمل بھی قرآن کی اصطلاح میں اسوۂ حسنہ ہے جو قرآن کی توضیح و تبیین کرتا ہے ارادۂ الٰہی جب عمل رسول کے ساتھ آمیز ہوتی ہے تب شریعت الٰہی وقوع میں آتی ہے۔ روح اسلام یعنی ارادۂ الٰہی اور آپ کے عمل کا تعلق چولی دامن کا تعلق ہے جس طرح روح اسلام لازوال ہے اس طرح اس کا قالب بھی غیر مبدل ہے۔ یہی شریعت ہے اور اور اس شریعت پر عمل ارادہ الٰہی کی تکمیل ہے۔ اس کے علاوہ کسی اور طریقہ سے ارادۂ الٰہی کی تکمیل ناممکن ہے۔ یہ ساری بحث شاہ صاحب نے اپنی بیشتر تصنیفات میں اپنے مخصوص پیرایۂ بیان میں ظاہر کی ہیں۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر حجۃ اللہ الانصاف۔ عقد الجید۔ اور تفہیمات کو نیز بدور البازغہ کو سامنے رکھنا چاہیئے۔

اجتہاد کی ضرورت

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ شریعت الٰہی کی تعمیل میں اجتہاد کی ضرورت کب اور کیوں پیش آتی ہے۔

انسان چونکہ مدنی الطبع پیدا ہوا ہے اس لئے اس کی سرشت میں تمدن و تہذیب داخل ہے۔ تمدن و تہذیب کوئی جامد شئے نہیں ہے بلکہ ترقی پذیر ہے۔ ترقی جن احوال و اسباب کی مرہون منت ہے ان احوال و اسباب کے تغیر سے ترقی بسا اوقات تنزل میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہر آن تغیر پذیر زندگی میں احوال و ظروف کی تبدیلی سے استثنا کے تقاضے بھی ابھرتے رہتے ہیں۔ پھر یہ کہ احوال و ظروف کے ان ہی تغیر و تبدل کے باعث شریعت کے انطباق کی ضرورت ہر دور اور ہر زمانے میں پیدا ہوتی رہتی ہے۔ اور اس سے کسی نسل کو مفر نہیں ہے۔ اس بات کو شاہ صاحب تفہیمات میں اس طور پر بیان فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں۔

امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغنا حاصل نیست۔

امت کو کسی وقت بھی کتاب و سنت پر اجتہادات کو پیش کرنے سے استغنا حاصل نہیں ہے۔

مصفی میں تحریر فرماتے ہیں۔

تفصیل ایں مجمل آنست کہ اجتہاد در ہر عصر فرض بالکفایہ است و مراد اینجا نہ اجتہاد مستقل است مثل اجتہاد شافعی مسائل کثیر الوقوع غیر محصور اند..... وانچہ مسطور شدہ است غیر کافی۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اجتہاد ہر زمانے میں فرض کفایہ ہے لیکن اس جگہ مراد اجتہاد مستقل نہیں ہے جیسا کہ اجتہاد شافعی۔ مسائل کثیر الوقوع بے شمار ہیں اور جو کچھ لکھا جا چکا ہے وہ ناکافی ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اجتہاد کے معاملے میں ایک عرصے سے شور سننے میں آرہا ہے کہ اس کا دروازہ جو عرصہ سے بند پڑا ہوا ہے کھولا جائے۔ موافق و مخالف دونوں غالباً اس بات پر متفق ہیں کہ دروازہ بند ہے۔ حالانکہ امر واقعہ یہ ہے کہ یہ دروازہ ایک دن کے لئے بھی بند نہیں ہوا ہے۔ اجتہاد ہر دور میں اور ہر زمانے میں کیا جاتا رہا ہے۔ فرق صرف اجتہاد مطلق اور اجتہاد مقید میں رہا ہے۔

اجتہاد کی دو قسمیں

شاہ صاحب الانصاف میں لکھتے ہیں۔ اجتہاد دو طرح کا ہوتا ہے ایک مطلق دوسرا مقید۔ شاہ صاحب نے اس پر بڑی تفصیلی گفتگو کی ہے میں امام شاطبی کی تعریف کو نقل کر رہا ہوں اس کی غرض اختصار کے علاوہ تائید بھی ہے۔ چنانچہ امام شاطبی اپنی کتاب موافقات کے باب اجتہاد میں لکھتے ہیں۔

الاجتهاد على ضربين احدهما لا يمكن ان ينقطع حتى ينقطع اصل التكليف وذلك عند قيام الساعة والثاني يمكن ان ينقطع قبل فناء الدنيا۔ اما الاول فهو الاجتهاد المطلق۔ وهو الذي لا خلاف بين الامة في قبوله۔	اجتہاد مطلق کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس کا انقطاع ممکن نہیں۔ حتی کہ انسان کی مسئولیت ہی ختم ہو جائے اور یہ قیامت سے قبل ممکن نہیں۔ دوسرا وہ ہے جس کا انقطاع دنیا کے فنا سے قبل ممکن ہے۔ پہلا اجتہاد مطلق ہے اور اس کی قبولیت کے معاملے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

یہی اجتہاد مطلق ہے جس کے بند ہونے پر امت کا اتفاق ہے شاہ صاحب علامہ جلال الدین سیوطی کا قول تائید میں نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وان المطلق كما قرر في كتاب	چنانچہ خود ابن صلاح نے اپنی کتاب

آداب الفتیا والنووی فی شرح المهذب نوعان مستقل وقد فقد من راس اربع مائة فلم یکن وجوده۔

آداب الفتیا اور امام نووی نے شرح المہذب میں اس کی تصریح کی ہے ان میں سے پہلی قسم کے اجتہاد کا دروازہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل ہی میں ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔ جسکے کھلنے کا اب کوئی امکان نہیں ہے۔

اس بات کی تائید میں ائمہ اربعہ کے اجتہادات سے باہر نہ جانے کے بارے میں اپنی کتاب فیوض الحرمین میں لکھتے ہیں۔

وثانیها الوصاة بالتقلید بهذه المذاهب الاربعة لا اخرج منها والتوفیق ما استطعت۔

مجھے حضور نے جو تین وصیتیں فرمائیں ان میں سے دوسری یہ تھی کہ مذاہب اربعہ کی تقلید کروں اور اس دائرہ سے قدم باہر نہ نکالوں۔ اور حتی المقدور انکے اجتہادات کی موافقت کروں۔

اس کی حکمت بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ان فی الاخذ بهذه المذاهب الاربعة مصلحة عظیمة من وجوه ان الزمان لما طال وبعد العهد وضیعت الامانات لم یجز ان یعتمد علی اقوال العلماء السوء۔

ان مذاہب اربعہ ہی میں دائر رہنے میں دوسری باتوں کے علاوہ ایک عظیم مصلحت یہ بھی ہے کہ عہد رسالت کو گذرے ہوئے مدت گذر چکی ہے امانتیں ضائع ہوچکیں تو اب یہ جائز نہیں ہے کہ علماء سوء کے اقوال و آراء پر اعتماد کیا جائے۔

اس کتاب میں ایک جگہ یہ تصریح بھی کرتے ہیں کہ اجتہاد میں اولین طریقہ یہ ہونا چاہیئے کہ مذہب حنفی کے تینوں شیوخ (یعنی ابو حنیفہ، محمد و ابو یوسف) کے اقوال کو دیکھا جائے اسمیں جو اقرب الی السنۃ ہو اسے اختیار کرلیا جائے۔

اجتہاد مطلق کے بند ہونے کا سبب

اس سلسلے میں شاہ صاحب مختلف مقامات پر بحث کرتے ہیں اس کا خلاصہ ابوزہرہ مصری کی زبانی سنئے۔ سیرت ابن تیمیہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں اجتہاد مطلق کے دروازے کے بند ہونے پر جو اتفاق ہوا اس کی اس کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ شریعت الٰہی کے دائمی اصول و کلیات مدون ہو چکے تھے اور انہیں پر مختلف مذاہب کی کتابیں مدون ہو چکی تھیں۔ اور اب اصول و کلیات میں کسی نئے اجتہاد کا کوئی موقع باقی نہیں رہا ہے۔

۲۔ اجتہاد کے لئے متعلقہ علوم میں جس مجتہدانہ بصیرت کی ضرورت اس سے لوگ دور ہو چکے ہیں۔

۳۔ اجتہاد مطلق کی صلاحیتیں مفقود ہو چکی ہیں۔

اجتہاد مقید

جہاں تک اجتہاد مقید کا تعلق ہے تو اس کا دروازہ ہر دور میں کھلا رہا ہے۔ اور آج بھی بند نہیں ہے۔ پانچویں صدی ہجری میں سود کے اشکال سے بچنے کے لئے بیع الوفاء کے احکام وضع کئے گئے۔ اور تمام متاخرین فقہا نے قرض خواہوں کی رضامندی کے بغیر قرضدار کے تمام تصرفات جیسے وقف، ہبہ وغیرہ ممنوع قرار دیئے۔ اس طرح ہر دور میں جو اجتہادات کئے گئے ہیں۔ ان سب کے نظائر موجود ہیں۔ اس موجودہ دور میں بھی اجتہاد کے نظائر نہ صرف یہ کہ ملتے ہیں بلکہ کثیر ہیں۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، رویت ہلال سے متعلق شریعت کے مقاصد کی توضیح، عورت کی امارت و قضاء کے استشار کا مسئلہ، بندش ولادت کے بارے میں شرعی احکام بنیکنگ اور انشورنس اور ان جیسے دوسرے مالی معاملات میں شریعت

کے احکامات کی تشریح، الحیلۃ الناجزہ یعنی مفقود الخبر شوہر کی عدت و انتظار کے بارے میں فتویٰ کی تبدیلی۔ یہ سب باب اجتہاد و قضا اور فتوے سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

اجتہاد مقید کی شاہ صاحب نے بھی اور دوسرے فقہاء و مجتہدین نے اپنے فہم کے مطابق منقسم کی ہے۔

اس کی قسمیں خواہ کتنی ہی ہوں بہرحال سب میں ہمت و صلاحیت کے بقدر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ بلکہ شاہ صاحب الانصاف میں تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر کسی دور میں مجتہدین مطلق منتسب (جو اجتہاد مقید کا سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے) کی ذمہ داریوں کو ترک کر دیا جائے تو پوری امت گنہگار ہوگی۔

اجتہاد کے بنیادی اصول

اب ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اجتہاد کا وہ کون سا دائرہ ہے جس کے اندر رہ کر ہی اجتہاد کیا جا سکتا ہے اس سلسلے میں پہلا اور بنیادی اصول یہ ہے کہ عبادات اور ما بعد الطبیعاتی امور میں اجتہاد کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ نہ تو یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ خدا کس کام سے خوش ہوگا اور کس سے ناخوش اور اسی طرح ماورائے طبعی مسائل میں کوئی سررشتہ ہاتھ نہیں آسکتا جس کی بنیاد پر کوئی رائے قائم کی جا سکے۔ اس میں تو بس رسول کی تقلید کے سوا چارہ نہیں۔ البتہ معاملات میں جہاں اللہ و رسول کی کوئی ہدایت نہ ملتی ہو اجتہاد کی اجازت ہے۔ لیکن یہ اجازت بھی غیر مشروط نہیں ہے۔ مقاصد شریعت شریعت الٰہی کی مجموعی اسکیم۔ اس کا مزاج اور اس کی روح سب کو ملحوظ رکھنا ہوگا تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس طرح کا اجتہاد کر ڈالا جائے جو سرے سے شریعت کی مجموعی اسکیم یا اس کے مزاج و روح کے خلاف ہو۔ چنانچہ اس سلسلہ میں شاہ صاحب اسباب اختلاف الصحابہ والتابعین فی الفروع کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

وان لم یجد فیما حفظہ واستنبطہ ما یصلح للجواب اجتہد برأیہ	اگر کسی صحابی کو اپنے معلومات و استنباط میں کوئی چیز ایسی نہ ملتی جس سے وہ مسئلہ کا

وعرف العلۃ امتی ادلۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہا الحکم فی منصوصاتہ فنظروا الحکم حیثیت ما وجدہا ولا یالوا جہدا فی موافقۃ غرضہ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

کا جواب دے سکتا تو اپنی رائے سے اجتہاد کرنا اور اس علت کو معلوم کرنا۔ جس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے منصوص احکام کی بنیاد رکھی ہے پھر جس مقام پر اس کو وہی علت نظر آجاتی وہاں وہ وہی حکم لگا دیتا۔ مگر ایسے قیاسات کرتے وقت یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ کے مقصد کا لحاظ کرنے میں اپنے مقدور بھر کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے تھے۔

اس سلسلے کی امام شاطبی نے اپنی کتاب الاعتصام جلد دوم میں نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے انہیں وہاں ملاحظہ کرنا چاہیئے۔

اجتہاد کے شعبہ ہائے کار

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اجتہاد کے شعبے کون کون سے ہیں جن میں اسے اپنے فرائض انجام دینے ہیں۔

معاملات میں اجتہاد کے چار شعبے قرار دیئے گئے ہیں۔

۱۔ نصوص کے معنی، مفہوم اور منشار کو متعین کرنا۔

۲۔ جن معاملات میں شارع نے کوئی حکم نہیں دیا ہے۔ لیکن اس سے ملتے جلتے معاملات میں جو حکم دیا گیا ہے ان میں علت کی تشخیص کر کے دوسرے معاملات میں جاری کرنا۔

۳۔ شریعت کے بیان کردہ کلی اصولوں کو جزوی مسائل پر منطبق کرنا اور یہ دیکھنا کہ نصوص کے اشارات، دلالتوں، اور اقتضاءات کے اعتبار سے جزوی معاملات کو شریعت کے کلی مزاج سے ہم آہنگ ہیں یا نہیں۔

۴۔ جن معاملات میں شارع کی کوئی ہدایت نہیں ملتی اور نہ کسی کلیئے کے تحت وہ آسکتے

ہوں تو ایسے معاملات میں شریعت کے وسیع تر مقاصد و مصالح اور مزاج کو ملحوظ رکھ کر ایسے قانون وضع کرنا اور ضابطے بنانا جو اسلام کے مجموعی نظام کی روح اور اس کی کلی اسکیم کے خلاف نہ ہو۔ ایسی قانون سازی اور اجتہاد کو اصطلاح میں استحسان مصالح مرسلہ اور استصحاب کا نام دیا گیا ہے۔

شاہ صاحب نے ان تمام مسائل پر متعدد مقامات پر اشارے کئے ہیں۔ اس پر یہ بحث مرتب شکل میں الاعتصام جلد دوم میں امام شاطبی نے درج کی ہے۔

شرائط اجتہاد

اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ شاہ صاحب وہ کیا شرائط بیان کر رہے ہیں جو ایک شخص کے مجتہد بننے کے لئے ضروری ہیں۔ یہ وہ شرائط ہیں جن کو شاہ صاحب نے پہلی مرتبہ پیش نہیں کیا ہے بلکہ یہ تقریباً ایک ہزار سال سے امت کے نزدیک مسلمہ شرائط کی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ بحث شاہ صاحب نے الانصاف میں مفصل کی ہے۔ تفہیمات الہیہ میں بھی اشارے ملتے ہیں۔ ان شرائط کو شاہ صاحب علوم پنجگانہ کے نام سے موسوم فرماتے ہیں۔ اور اسکے وجوب پر بھی اچھی بحث کرتے ہیں۔ میں صرف خلاصہ پیش کروں گا۔

پہلا اصول

یہ ہے کہ آدمی اس زبان کو اور اسکے قواعد، محاوروں کو اور ادبی نزاکتوں کو اچھی طرح سمجھتا ہو جو قرآن و سنت اور شریعت اسلامی کی اپنی زبان ہے۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ آدمی نے قرآن مجید کا اور ان حالات کا جن میں قرآن نازل ہوا ہے گہرا مطالعہ کیا ہے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ سنت کا تحقیقی مطالعہ کیا ہے۔ اور اس کے تمام رکارڈ سے براہ راست ہو اور نقد حدیث میں اسے اچھی مہارت ہو۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ آدمی شریعت الٰہی کی عملی تطبیق، اس کے ادوار اجتہاد کے زمانی تسلسل اور اس سلسلے کے تمام رکارڈ سے براہِ راست واقف ہو۔ اور یہ واقفیت اتفاً

کے تسلسل کو باقی رکھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

پانچواں اصول۔ یہ ہے کہ آدمی ایمانداری کے ساتھ اسلامی اقدار، طرز فکر اور خدا و رسول کے احکام کی صحت کا معتقد ہو۔ اور رہنمائی کے لئے باہر نہ دیکھے۔

ظاہر ہے ان شرائط و اصول کو ملحوظ رکھے بغیر کوئی اجتہاد آخر امت کو کس طرح قابل قبول ہوگا اور تاریخ شاہد ہے کہ ان شرائط کا لحاظ کئے بغیر جب بھی کوئی اجتہاد کیا گیا تو مسلم معاشرے نے ہرگز قبول نہیں کیا۔ اگر ڈنڈے کے زور سے اب کوئی اجتہاد مسلط کیا گیا تو ڈنڈے کے ساتھ ہی وہ بھی رخصت ہو گیا۔

فقہی مسالک میں اعتدال کی راہ

اب میں اس مسئلہ کی طرف آتا ہوں کہ اجتہاد کی تاریخ میں جو اختلافات کا باب ہے اس میں شاہ صاحب نے کیا کارنامہ انجام دیا ہے۔

اس سلسلے میں شاہ صاحب نے اپنی کتاب الانصاف میں بڑی حکیمانہ گفتگو فرمائی ہے اول تو پوری کتاب اس نقطۂ نظر کے تحت لکھی گئی ہے۔ لیکن آخری باب میں جس نقطۂ عدل پر انگلی رکھ دی ہے وہ سب سے حیرت انگیز ہے۔ اس باب میں شاہ صاحب شریعت الٰہی کے مزاج فہمی کے جس بلند مقام پر نظر آتے ہیں وہ بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا ہے سید سلیمان ندوی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ عالم اسلام میں تین شخصیتیں اتنی نمایاں ہیں کہ مینارۂ نور نظر آتی ہیں۔ ایک ابن حزم اندلسی دوسرے ابن تیمیہؒ اور تیسرے شاہ صاحب اور شاہ صاحب تو ان سب میں بازی لے گئے ہیں۔

غرضکہ شاہ صاحب نے بڑی کامیابی کے ساتھ اس نقطۂ عدل پر انگلی رکھ دی ہے جو شریعت کے مزاج سے عین مطابقت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں اہل فقہ والے اور اہل حدیث دونوں کے لئے جائز شورائی طرز عمل کی تعین کی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ نقطۂ عدل کو پالینے کے بعد قوم میں اختلافات قطعی ختم تو نہیں ہوئے۔ لیکن جن لوگوں کی تاریخ اجتہاد و تفقہ پر نظر ہے وہ گروہی عصبیتوں میں کمی کے رجحان میں

الانصاف کے مسلک اعتدال کی کارفرمائی ضرور دیکھ رہے ہیں۔ تحریک شہید کے واقعات میں ہم مسلک اعتدال کی پوری جھلک پاتے ہیں افسوس کہ تحریک کے خاتمہ سے اس مقصد کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ اور وہ کام جس کی توقع بجا طور پر کی جا سکتی تھی پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکا۔

دوسرا کارنامہ

شاہ صاحب کا دوسرا کارنامہ کار تجدید پر سیر حاصل بحث ہے اس ذیل میں تجدید کی ضرورت مجددین کی صفات کار تجدید کی شرائط اور اپنے تجدیدی کام کی ضرورت اور حدود کار کو بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے اور اس طرح مجدد و متجدد کے فرق کو واضح کر دیتے ہیں۔ اور تجدد کے راستہ کو قطعی بند کر دینے کی سعی کرتے ہیں۔

کار تجدید کی ضرورت کیوں

اس کارگاہ عالم میں کسی قوم و گروہ کو دوام حاصل نہیں ہے جس طرح شخصی حالات و کیفیات بدلتی رہتی ہیں اسی طرح قوموں میں بھی ترقی و منزل کے ادوار آتے رہتے ہیں یہ دنیا مختلف صحیح و غلط نظامہائے حیات کی رزم گاہ ہے۔ کبھی کوئی قوم غالب آتی ہے اور کبھی دوسری ترقی و تنزل کا یہ چکر جو نظام حیات کے ٹکراؤ کے نتیجہ میں ہوتا ہے اس لئے قوموں میں ذہنی پراگندگی اور اضمحلال پیدا ہوتا ہے۔ غالب قوم کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ مغلوب قوم کبھی اس کے پنجۂ اقتدار سے باہر نہ جاسکے۔ اس کے لئے وہ اس نظام حیات کو بھی جس پہ مغلوب قوم اپنی زندگی بسر کر رہی ہوتی ہے حملہ آور ہوجاتی ہے۔ ذہن و فکر سے لے کر کردار و عمل تک ہر جگہ لفوذ کی کوشش کرتی ہے اور ہر جگہ شکست و ریخت کے آثار ابھر آتے ہیں۔ قوم کا مغلوب و متاثر عنصر غالب تمدن کی ہر صحیح و غلط باتوں کو اپنے نظام میں کھپانے کی کوشش شروع کرتا ہے اور اس طرح اگر کوئی نظام کمزور ہو تو جلد پیوند زمین ہوجاتا ہے ورنہ کچھ کچھ تغیرات تو بہر حال ہوجاتے ہیں۔

تجدید حق

ایسی حالت میں ایک مجدد برحق کا کام یہ ہے کہ اسلامی نظام حیات کی شکل و روح میں جو بگاڑ آیا ہو، اس کے توازن میں اختلال واقع ہوا ہو۔ اسے ان تمام خرابیوں سے پاک کر کے اجتہاد و تجدید کی غیر معمولی صلاحیتوں کے ساتھ نئے سر سے انسانوں کے ذہن و عمل میں غالب اور جاری و ساری کر دے۔

شاہ صاحب اپنی کتاب تفہیمات الہیہ میں متعدد مقامات پر اس پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ تجدید کے شرائط بیان کئے اسکے حدود کار کو بتایا ہے اور خود اپنی اصلاح کے نقاط کو واضح کیا ہے۔ اس طرح آیندہ کے لئے تجدید کی صاف اور سیدھی راہ کھولی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلامی تاریخ میں یہ کام انتہائی دوررس نتائج کا حامل ہے۔

تیسرا کارنامہ

علم حدیث کی تجدید۔ تجدید و اجتہاد کے کام کے لئے علوم حدیث کی جس قدر ضرورت ہے وہ اظہر من الشمس ہے فی الحقیقت اس علم کے بغیر اجتہاد و تجدید کے باب میں ادنی کام بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اسی اہمیت کے پیش نظر شاہ صاحب نے باقاعدہ اس علم کی توسیع کا پروگرام بنایا۔ اس سے قبل عالم اسلام کا جو حال تھا اس کی داستان علامہ رشید رضا مصری سے سنئے سید صاحب مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

> "اگر ہمارے بھائی علمائے ہند نے اس اخیر زمانے میں حدیث نبوی پر اپنی توجہ نہ مبذول کی ہوتی تو علم حدیث کا خاتمہ ہو چکا ہوتا کیونکہ دسویں ہجری ہی میں مصر و شام، عراق و حجاز میں علم حدیث کا چرچا کم ہو چکا تھا۔ اور چودھویں صدی کے اوائل تک تو تنزل و انحطاط کی انتہا ہو چکی تھی۔"

شاہ عبدالحق محدث دہلوی کے بعد شاہ صاحب موطا امام مالک کی شرح مسوّٰی مصفّٰی لکھ کر ایک نئی تحریک کی داغ بیل ڈال دیتے ہیں۔ زمانہ شاہد ہے کہ اس کے بعد پورے عالم اسلام میں ایک لہر پیدا ہو گئی۔ اور آج تک جاری ہے۔

چوتھا کارنامہ

ترجمہ قرآن مجید عوام الناس کے ذہن کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ قرآن کو سمجھ کر پڑھ سکیں۔ شاہ صاحب دیکھ رہے تھے کہ عربی کو اب مقام شایان حاصل نہ رہے جو اس کا حق ہے۔ چنانچہ انہوں نے علمائے عصر کے اختلاف کے باوجود ترجمہ قرآن کی ابتدا کر دی۔ غنڈوں نے شہ پاکر مسجد فتحپوری کو قتل کے ارادے سے گھیر لیا۔ لیکن ترجمہ مکمل ہوا اور صرف یہی نہیں بلکہ اصول تفسیر میں فوز الکبیر جیسی معرکتہ الآرا تصنیف یادگار چھوڑی۔ جس میں اصول تفسیر کی ایسی نئی اور دلاویز شاہ راہ کھولی جو شریعت کی روح اور مزاج سے پوری طرح ہم آہنگ ہے

پانچواں کارنامہ

اسلامی نظام سیاست کی نقشہ کشی۔ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ بھی تاریخ کے صفحات کا انمٹ نقش ہے کہ انہوں نے اسلامی نظام سیاست کی سچی اور صحیح تصویر کھینچی ہے۔ خلافت راشدہ کے سقوط کے بعد جابر حکومتوں کے طویل دور عروج کے باعث مسلمانوں کے ذہن سے صحیح نظام سیاست کا نقشہ محو ہو چکا تھا۔ وہ خلافت علی منہاج النبوۃ اور دوسرے نظام سیاست میں فرق نہیں کر سکتے تھے۔ شاہ صاحب نے ازالۃ الخفا میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے نہایت عمدہ استدلال سے یہ ثابت کر کے رکھ دیا ہے کہ اصل نظام سیاست خلافت راشدہ کے دور میں پیش کردہ ہی نظام سیاست ہے۔ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے عین مطابق ہے بقیہ نظام اسلامی نظام سیاست نہیں ہیں۔ خلافت کی حقیقت

اسلام میں نظام حکمرانی حضرت عمر کے اجتہادات و فیصلے کے نظائر یہ سب کچھ ذکر کرکے گویا آیندہ کے لئے نقشۂ کار رکھ دیتے ہیں۔ یہ وہی نقشہ ہے جس کے قیام کی خاطر برصغیر ہندو پاک میں تحریکیں اٹھتی رہی ہیں۔

چھٹا کارنامہ

تصوف میں اصلاح ۔ شاہ صاحب کے زمانے میں تصوف کو جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اس سے شاہ صاحب صرف نظر نہیں کر سکتے تھے اور نہ اس کے خلاف کوئی بہت بڑا قدم اٹھا سکتے تھے۔ اس لئے اس میں صرف اصلاح کی کوشش کی ہے مسلمانوں میں صوفیت کے لوازم میں ایذائے جسمانی اور ہلاکت میں مبتلا کرنے کو داخل سمجھا جاتا تھا۔ بر ہمچارگی کے اس طریقہ کے خلاف شاہ صاحب نے وصایا میں گفتگو کی ہے اس کو سخت مرض قرار دیا ہے۔ اور اس کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ بحث وصیت پنجم میں دیکھی جا سکتی ہے۔

ساتواں کارنامہ

اسلامی نظام حیات کی تدوین ۔ شاہ صاحب کا سب سے اہم اور اثر آفریں کارنامہ حجتہ اللہ البالغہ، بدور البازغہ، ہے یہ وہ کام ہے جو بڑے دور رس اثرات کا حامل ہے اس کی شہرت بھی پورے عالم اسلام میں ہے۔ دین الٰہی اکبر شاہی کے فتنہ سے متاثر ہو کر اور دور رس نگاہوں سے یہ بات محسوس کرکے کہ آیندہ نظامہائے حیات کا ایک پورا جنگل اوگنے والا ہے۔ جس کا اشارہ شاہ صاحب تفہیمات میں بھی کر رہے ہیں۔ اس بات کا ارادہ کیا کہ اسلام کے متوازن اور عادلانہ نظام کو مربوط شکل میں مدون کر دیا جائے۔ چنانچہ آپ یہ کام شروع کرتے ہیں۔ مابعد الطبعیاتی مسائل سے بنیادیں اٹھاتے ہیں اور آہستہ آہستہ حکمتوں کے اظہار کے ساتھ ساتھ نہایت حسین انداز میں ایک ایسی عمارت کھڑی کر دیتے ہیں جو اپنے حسن ترتیب اور تناسب

یگانہ روزگار ہے۔ ارتفاقات کے عنوان سے اس دہلوی شیخ نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ سب سے زیادہ دل آویز اور متاثر کن ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا اسلامی نظام حیات کی تدوین کا یکارنامہ اتنا عظیم الشان ہے کہ آج تک اس کے اثرات سے عالم اسلامی خالی نہیں ہے۔ اور انشاءاللہ آیندہ صدیوں تک اس کے اثرات زندہ وپائندہ رہیں گے اس کارنامہ کی موجودگی میں اسلام کے اندر کسی جاہلیت کو گھس آنے کا موقع باقی نہیں رہا ہے یہی وہ کارنامہ ہے جس نے عالم اسلام کے مجموعی دین کو ڈھالا ہے تمام عالم اسلام اس کی بدولت احیائے اسلام اور اقامت دین کی تحریکوں سے بھر گیا ہے شاہ صاحب کا صرف یہ ایک کارنامہ ہی انہیں مجدد کے بلند ترین منصب پر رونق افروز کرنے کیلئے کافی ہے۔

لمحات

شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کی حکمت الہی کی یہ بنیادی کتاب ہے
اس میں وجود، وجود سے کائنات کے ظہور، تدلی اور تجلیات پر بحث
ہے۔ یہ کتاب عرصہ سے ناپید تھی۔
مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے ایک قلمی نسخے کی تصحیح اور اس سے
تشریحی حواشی اور مقدمہ کیساتھ شائع کیا گیا ہے۔

قیمت :- دو روپے

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد